مجاہد حسین
لیکچرار اُردو، گورنمنٹ ڈگری کالج فار بوائز شالیمار ٹاؤن، لاہور

Mujahid Hussain
Lecturer Urdu, Govt Degree College for Boys Shalimar Town, Lahore

اردو فکشن اور سفر نامے میں باہمی اشتراکات

Interrelationships between Urdu Fiction and Travelogue

Abstract:
We examine the structure, form, elements and shape of genres of Urdu fiction, common traits and features can be found in fiction and travelogue in spite of their factual and predetermined generic individuality and status. Nonetheless, according to the artistic requirements of genres mentioned in these common traits, there can be a difference of length, material, characters and events, reality and imagination, supernatural elements and scientific approach, scene and background, style and form; and it should be. But important elements like plot, story, events, characters, qualities and drawbacks of character, love, adventure, eternal conflict between good and evil, ethics, romance, realism, social norms, dogmatic beliefs, historical and scientific facts, narration, diction, similes and metaphors, proverbial style, clarity, formal way of writing, dialogues, screenwriting, artistic features of language and narration, objectivity and philosophy of life can be found in fiction one way or the other with a little bit difference of structural requirements.

Keywords: Comparative study, Fable, Novel, Drama, Short story, Similar characters and events, Social norms, Narration, Philosophy of life.

کلیدی الفاظ: تقابلی مطالعہ، کہانی، ناول، ڈرامہ، افسانہ، مماثل کردار و واقعات، سماجی اقدار، زبان و بیان، فلسفہ حیات

ادب ہمیں موجود سے ممکن کی طرف لے جاتا ہے۔ اس لحاظ سے مستقبل کا معاشرہ، حقیقت اور آگہی، واقعہ اور تخیل، فکر اور تصور، تجربہ اور تجزیہ، روایت اور تخلیق، عمود اور حرکت، نیکی اور بدی کے امتزاج سے تشکیل پاتا ہے کیونکہ یہ سب معاشرے کے اجزائے ترکیبی میں شمار ہوتے ہیں۔ یوں ادب، ادیب اور ادب پارہ معاشرے کے اہم عناصر میں شمار ہوتے ہیں۔ لہذا ادب حقیقت اور تخیل کو تخلیقی اظہار کے حسین امتزاج سے افسانوی رنگ میں پیش کرتا ہے۔ یہ افسانوی رنگ اور ادبی امتزاج ہمیں اردو سفر نامے میں بھی نظر آتا ہے۔

اردو کے افسانوی ادب یعنی داستان، ناول، افسانہ، ڈراما کی ساخت، بناوٹ، اجزائے ترکیبی اور ہئیت کا جائزہ لیا جائے تو مسلّمہ اور طے شدہ صنفی انفرادیت اور حیثیت کے باوجود فکشن اور سفر نامے میں مشترک خصوصیات اور عناصر تلاش کیے جاسکتے ہیں تاہم ان مشترک خصوصیات میں مذکورہ افسانوی اصناف کی فنی ضروریات کے اعتبار سے طوالت اور اختصار، کمی اور بیش، کردار

اور واقعات، کردار، کردار کی خوبیاں، خامیاں، عشق و محبت، مہم جوئی، نیکی اور بدی کا ازلی ٹکراؤ، اخلاقیات، رومانیت، حقیقت نگاری، معاشرتی رسم ورواج، عقائد، مسلمان، تاریخی اور علمی حقائق، انداز بیان، روز مرہ اور محاورہ، تشبیہہ اوراستعارات، ضرب الامثال کا استعمال، سادگی و سلاست، پُر تکلف انداز تحریر، مکالمہ نگاری، منظر نگاری، زبان و بیان کے فنی محاسن، ادبی مقصدیت اور فلسفہ حیات جیسی خوبیاں افسانوی ادب میں ہمیں کسی نہ کسی رنگ اور انداز میں ہئیتی ضرورتوں کے فرق کے ساتھ یا ایک آدھ عنصر کے کم یا زیادہ ہونے کی صورت میں مل جاتی ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ افسانوی ادب کے یہ مشترکہ عناصر اور خصوصیات کیا اردو سفر نامے میں بھی تلاش کی جاسکتی ہیں؟ تو اس کا سادہ جواب تو یہ ہے کہ ہاں یہ ممکن ہے تاہم ادبی تحقیق کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس امر کا قدرے تفصیلی جائزہ لینا ضروری ہے کہ افسانوی ادب کی جملہ اصناف (داستان، ناول، افسانہ، ڈراما) کا انفرادی یا اجتماعی اثر اردو سفر نامے پر کیوں اور کس قدر پڑا ہے۔

افسانوی ادب میں داستان کی ساخت میں اتنی کشش ہوتی ہے کہ پوری داستان پڑھے بنے بغیر چین نہیں آتا۔ قصہ طویل اور دیگر ضمنی قصوں سے جڑا ہوتا ہے۔ محیر العقول واقعات اور سنسنی خیز مہمات اس کا اہم حصہ ہوتی ہیں۔ کردار اچھے، برے یا مثالی ہوتے ہیں۔ حسن و عشق اور اس کے متعلقات کہانی کا بنیادی محرک محسوس ہوتے ہیں۔ داستان میں الجھنیں، رکاوٹیں، نیکی، بدی، مشکلات کا اتار چڑھاؤ اور پھر سب ٹھیک ہو جانا۔ معاشرتی رسم و رواج، تہذیب، ثقافت، تاریخی اور علمی حقائق کا اظہار اور عکاسی داستان نگاری کا اہم جزو ہوتی ہے۔ بیانیہ اور خطابیہ انداز بیان، زبان بیان کے فطری محاسن، روز مرہ محاورے کا دلکش استعمال اور شگفتہ انداز انشا کہانی کو پر کشش بنا دیتا ہے۔

ناول کی ساخت اور بناوٹ کے 'بنیادی اجزا' کا جائزہ لیں تو ہمیں قصہ، واقعات، کردار نگاری، منظر نگاری، مکالمہ نگاری اور مخصوص فلسفہ حیات کہ جس کو مقصدیت بھی کہا جاتا ہے، نظر آتے ہیں۔ ناول کا پلاٹ، واقعات کے اعتبار سے اکہرا یا مرکب ہوتا ہے تاہم لازمی امر یہ ہے کہ کہانی کے تمام اجزا منطقی لحاظ سے مربوط ہوں، نیز واقعات کا نشوونما اور پھیلاؤ فطری ہو۔ کرداروں کے متعلق ضروری ہے کہ ان کا تعلق حقیقی زندگی سے ہو۔ انسانی نفسیات کے لحاظ سے ان میں خوبیاں اور خامیاں موجود ہوں۔ لیکن حفظ مراتب کا خیال رکھتے ہوئے۔ قصہ کہانی میں کردار نگاری کے حوالے سے یہ مکالموں کی اہمیت سے انکار نہیں لہذا کردار نگاری مکالموں سے بھی ہوتی ہے اور ناول نگار بیانیہ سے بھی یہ کام لیتا ہے۔ ان کرداروں میں فطری ارتقا بھی ہوتا ہے۔ اخلاقی بلندی اور پستی بھی واقع ہوتی ہے۔ مکالمہ کردار کے مزاج، مذاق، احساسات اور جذبات کو ظاہر کرتا ہے۔ مرد و زن اور بچوں، بزرگوں کی تفریق و افتاد کا پتہ چلتا ہے۔ نفسیاتی کیفیتوں کا یہ اظہار کہانی کے ارتقا پر اثر انداز ہوتا ہے جبکہ منظر کشی، منظر اور پس منظر یعنی مقام اور وقت کا تعین کرتی ہے جس سے ماحول اور فضا کی ترتیب میں آسانی ہوتی ہے۔ ناول میں پیش کردہ معاشرہ اور معاشرتی طبقات صحیح تناظر میں نظر آتے ہیں۔ قوت تخیلہ اور قوت انشا کے امتزاج سے منظر نگاری میں مدد ملتی ہے۔ جہاں تک مقصدیت، نصب العین، نظریہ یا فلسفہ حیات کا تعلق ہے اس کو اچھا ناول نگار ڈھنڈورا پیٹے بغیر چپکے سے کرداروں کے پردے میں قصے کے فطری ارتقا میں چھپا کر رکھتا ہے اور ادب پارے کے اختتام پر اس کا انکشاف ہوتا ہے۔

افسانہ ہمارے عہد اور دور کی مقبول و معروف نثر ہے جس نے کہانی کے مقام اور معیار کو بڑھایا ہے۔ اس کی ساخت اور اجزائے ترکیبی میں موضوع کا انتخاب، عنوان کا تعین، تمہید، قصہ کہانی کا پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ، منظر کشی، مقصدیت، وحدت زمان و مکان اور نقطہ عروج کو اہمیت حاصل ہے۔ افسانہ اگرچہ زندگی کے کسی ایک جزو کا احاطہ کرتا ہے لیکن اس پہلو سے متعلق دیگر

پہلوؤں کو اس طرح واضح کرتا ہے کہ کہانی کی تمام پرتیں ایک دوسرے سے گندھی ہوئی ہوتی ہیں۔ موضوع کا جاندار ہونا، متنوع اور تازہ ہونے سے قارئین کی دلچسپی بڑھتی ہے۔ گردوپیش کی فضا کا احوال اور معاشرتی مسائل کا سچائی اور حقیقت نگاری کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اظہار کرنا چاہئے۔ اس طرح حالات وواقعات کا تجزیہ کرنے میں قاری کو مدد ملتی ہے۔ طرز بیان اور طرز اظہار میں ادبی شان سے قصے کی تاثیر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ محاکات کا استعمال، اشارے، کنائے، بلاغت، جامعیت، سادگی اور بے تکلف انداز بیان خوبصورتی کا مظہر ہوتے ہیں۔ تحریر میں مشاہدے، تجربے اور علمی گہرائی کے تمام پہلوؤں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ انسانی زندگی میں عمومی طور پر ادب میں بالخصوص داستان، قصہ یا کہانی کی کیا اہمیت ہے۔ نیز افسانوی ادب ہماری روزمرہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کو کس طرح متاثر کرتا ہے اس کے حوالے سے ڈاکٹر آغا سہیل لکھتے ہیں:

> "جب سے انسان روئے زمین پر آیا ہے اپنے ساتھ کوئی نہ کوئی کہانی بھی لایا ہے۔ یہ کہانی آدم وحوا کی کہانی بھی ہے اور اگر ادیان عالم کے مختلف النوع مدرسہ ہائے فکر کو ملحوظ رکھئے تو قصہ آدم میں رنگینی پیدا کرنے والا اس میں ابلیس کا لہو بھی شامل ہے اور زمین پر حضرت انسان کے درود ومسعود کے ساتھ ہی ساتھ ہابیل اور قابیل کا خونیں المیہ بھی وجود میں آجاتا ہے۔ لہذا کہانی، قصے، داستان اور افسانے کا انسان سے وہی رشتہ ہے جو اس کے سائے کا اس سے وابستہ ہے۔ کہانی انسان کا خمیر ہے اس کی فطرت ثانیہ ہے اور اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ کہانی سے انسان کو مطلقاً مفر نہیں۔ کبھی وہ کہانی سنتا ہے اور کبھی بُنتا ہے۔ عہد سے لحد تک کہانیاں ہی کہانیاں، ازل سے ابد تک تمام محیط عالم میں کہانیاں رچی بسی ہوئی ہیں اور کائنات کی رگ وپے میں دوڑتی ہوئی اور سمائی ہوئی ہیں۔ البتہ زمانوں کے لحاظ سے کہانیوں کے مزاج کی افتاد بدلتی رہی ہے۔ معاشرتی عوامل اور محرکات، کہانی سننے اور کہانی بننے والوں کو متاثر کرتے رہے ہیں۔ ملکوں ملکوں کے جغرافیائی اور تاریخی تقاضے انسانی فطرت پر بالواسطہ اور بلاواسطہ اثر انداز ہوتے رہے ہیں جو کہانی کے مزاج کو بدلتے رہے اور اس کی بنت پر بھی اثر ڈالتے رہے۔ چنانچہ کابل، چین، ہندوستان، عرب، ایران، مغربی یورپ اور انگلستان جہاں جہاں سے بھی داستانی یا افسانوی روایتیں اکٹھا ہوتی ہیں، ان پر اپنے اپنے زمانوں کی گہری چھاپ لگی ہوئی ہے۔" (۱)

مذکورہ بالا مختصر پس منظر کی روشنی میں جب اردو کے بالخصوص قیام پاکستان کے بعد کے جدید سفر ناموں کا فنی اور فکری جائزہ لیا جائے تو افسانوی ادب کے اثرات کے نقوش کی تلاش قدرے آسان ہو جاتی ہے۔ اردو سفر نامے کی غیر معمولی ترقی اور افسانوی ادب سے اس صنف نثر کے تعلق کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> "آزادی کے بعد اس صنف میں غیر معمولی دلچسپی لی گئی۔ اس عرصے میں غیر ممالک نے آغوش ضرورت کو روا رکھا۔ سفر کو وسیلۂ حیات بنایا گیا اور سہولتوں کی جلو میں مہم جوئی کو عام معمول کی حیثیت مل گئی۔ زیادہ لوگوں نے بیرونی دنیا کو دیکھا تو سفر کے احوال بھی زیادہ لکھے گئے۔ اس دور میں افسانے میں علامت اور تجرید کے تجربے کیے جا رہے تھے اور افسانے سے 'کہانی پن' معدوم ہو رہا تھا۔ سفر نامہ نگاروں نے کہانی کے اس خلا کو بڑی خوبی سے پر کیا اور تحیر کی افزائش کے لیے تخیلہ کو افراط سے استعمال کیا۔ آپ بیتی میں جگ بیتی شامل کرنے کے لیے کرداروں سے بھی معاونت حاصل کی گئی۔(۲)

ڈاکٹر حامد مرزا حامد بیگ سفر نامے کے فن پر بحث کرتے ہوئے انگریزی ادب سے حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پھر چوسر کی، کنٹر بری ٹیل ہے۔۔۔ یہ طے پاتا ہے کہ وقت گزارنے کے لیے زائرین میں سے ہر فرد کوئی نہ کوئی کہانی ضرور سنائے گا، جو نہیں سنائے گا اسے جرمانہ ہو گا۔۔۔ انگریزی کے ابتدائی سفر ناموں میں چوسر کی یہ سفری روداد ناول کے فن سے قریب تر ہے۔" (۳)

آگے چل کر ڈاکٹر موصوف مزید لکھتے ہیں:

"خارج سے متعلق بیانیہ اصناف ادب میں سفر نامہ سر فہرست ہے لیکن شاید سفر نامہ واحد نثری صنف اظہار ہے جس کی تکنیکی تعریف کا تعین تاحال ممکن نہیں ہو سکا۔ کچھ یہی سبب ہے کہ سفر نامہ کبھی روزنامچے کے رنگ میں لکھا گیا اور کبھی خطوط کی شکل میں۔ اس میں مکالمے کی شمولیت بھی ممکن ہے اور اس میں خبر پہچانے کا انداز بھی کھپ جاتا ہے۔ پیش منظر کا سفر نامہ اسلوبی سطح پر 'نان فکشن' رہتے ہوئے بھی فکشن کا انداز اختیار کر گیا ہے۔ البتہ سفر نامے میں پیش آنے والے واقعات فکشن کی طرح ترتیب نو کے متحمل نہیں ہوتے اور جہاں کہیں بھی ایسا کیا گیا ہے سفر نامہ، ناول یا افسانہ بن گیا ہے۔" (۴)

جبکہ ڈاکٹر غفور شاہ قاسم سفر نامے اور افسانوی ادب کے تعلق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"سفر نامے میں چونکہ رپور تاژ، افسانے، روزنامچے، خطوط اور داستان جیسی اصناف کا تھوڑا تھوڑا ذائقہ موجود رہتا ہے اس لیے کچھ ناقدین نے سفر نامے کو 'ام الاصناف' قرار دیا ہے۔" (۵)

ڈاکٹر سید محمد عارف سفر نامے کی الف لیلوی کشش اور داستان کی دلکشی کو موضوع سخن بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دور دیسوں اور نجانی جگہوں سے متعلق انسان کے رومانوی، الف لیلوی اور فردوسی تصورات اس کے جذبہ تحسین تحیر کو ابھار کر اسے آمادۂ سفر رکھتے ہیں۔ تنوع پسندی اسے روز و شب بے تاب رکھتی ہے اور پھر سفر سے واپسی پر اس کے نت نئے تجربات، عجیب و غریب مشاہدات اور انوکھے واقعات اوروں کے لیے داستانوں کی سی دلکشی لیے ہوتے ہیں۔" (۶)

داستان کے اجزائے ترکیبی میں دیگر کے علاوہ جنگ و جدل، مہم جوئی، آلات حرب، انداز رزم، دشمن کی عیاری، ہیرو کی بہادری، اعلیٰ اخلاق، کردار کی عظمت، مثالی کردار، مشکلات، رزمیہ معرکہ آرائیاں، جدال و قتال، شجاعت، مردانگی، ہمت اور اولوالعزمی، نیکی اور برائی کی طاقتوں کا ازلی و ابدی مقابلہ اور ہیرو کا مثالی کردار یعنی وجاہت، حسن و قد قامت، جسمانی مضبوطی، ذہانت، ظاہری و اخلاقی خوبیاں، شباہت اور خدوخال بھی شامل ہیں۔ ہمارے دور کے سفر نامہ نگاروں نے اپنے حال کے سفر کو ماضی سے جوڑتے ہوئے 'داستان کے مذکورہ انداز' کو اپنایا تو اس طرزِ اظہار کی مناسبت سے جو تحریر سامنے آئی اس کے نمونے ذیل میں پیش ہیں مثلاً اردو کے صاحب طرز ادیب، مفکر اور مؤرخ شیخ منظور الہیٰ اپنے سفر نامے 'نیرنگ اندلس' میں مسلمانوں کے اسپین میں شاندار ماضی کی ناقابل فراموش داستان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دفاع کے لیے پہاڑی علاقہ موزوں تھا، مگر سمندر اور پہاڑوں کا قدرتی حصار چھوڑ کر طارق کھلے میدان میں خیمہ زن ہوا۔ اس کے لیے جان کی حفاظت مقدم نہیں تھی۔ اسلام کے لیے ہسپانیہ فتح کرنا مقصودِ اوّل تھا۔۔۔ خیابان میں ہے منتظر لالہ کب سے، قبا چاہیئے اس کو خون عرب سے۔۔۔ طارق کی پیادہ فوج کے مقابلے میں چالیس ہزار گاتھ فوج کا بڑا حصہ دیو ہیکل گھوڑوں پر سوار تھا۔ زرہ بکتر پہنے ہوئے بہترین سپاہیوں پر مشتمل دستہ فوج کے آگے آگے تھا۔ ان کے ہاتھوں میں بھاری بھرکم المانوسی تیر تھے جن کی زد سے نکلنا محال تھا۔ گاتھ سردار اطلس و دیبا میں ملبوس تھے۔ لباس اور ہتھیاروں میں قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ رتبے کے لحاظ سے سرداروں کی انگوٹھیاں سونے کی

تھیں۔ راڈرک جن کی رتھ میں سونے کے تخت پر جلوہ افراز تھا۔ سر پر موتیوں کا چھتر تھا جس میں یاقوت اور زمرد جھلملا رہے تھے اور شانوں پر ارغوانی چادر تھی جس کا طلائی حاشیہ موتیوں سے مزین تھا۔ روپہلی چپل میں یاقوت جڑے ہوئے تھے۔" (۷)

ذوالفقار علی خان کے سفر نامہ 'یاد یار مہربان' مین صنف نازک کے نسوانی حسم و جمال، صورت اور سیرت کے داستانی رنگ کا اقتباس:

"رنگ وروپ کا شاہکار خانم طیبہ اسی شہر کی باسی ہے۔ نازک اندام، صنوبر خرام، تیکھے تیکھے نقوش اور مسکراہٹ سے مزین باریک گلابی ہونٹ، ناک کی تلوار پر مکھی تو مکھی مچھر ایسی ہلکی پھلکی چیز پر بیٹھنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ بڑی ملنسار اور خوش خلق۔۔۔ ورسم میں حدود وقیود کی پاسداری بھی بڑی سختی سے کرتی تھی اور اپنے صاف دامن کو بڑی چابک دستی سے محفوظ رکھتی تھی۔"(۸)

معجزات اور خارق عادات واقعات کی ایک مثال سید محمد ہادی حسین 'قلمی نام حسینی نامہ نگار' کے مذہبی سفر نامے 'نقوش راہ' سے پیش خدمت ہے:

"گیارہویں صدی ہجری کے ابتدائی زمانے میں روہڑی میں سید نور حسین شاہ ایک محب حسین، بزرگ جن کا تعلق رضویہ سادات سے تھا آباد تھے۔ ہر سال تکالیف سفر برداشت کر کے محرم کے موقع پر کربلائے معلیٰ جاتے۔۔۔ ایک سال جب وہ کربلا میں مقیم تھے تو ایک آواز غیب آئی کہ آئندہ سال تم نہ آنا ہم خود آئیں گے۔ آئندہ سال ایام عزا میں رخت سفر نہ باندھا اور یہیں روہڑی میں رہے۔ اچانک ایک شخص عراق نامی نمودار ہوا جس نے تعزیہ بنانا بتایا اور اس دن سے آج تک ان ہی ہدایات کے مطابق یہ تعزیہ بنتا ہے۔"(۹)

قدیم داستان کا ایک خاصہ، طرز حکمرانی میں بربریت، جبر اور ظلم واستبداد کا وحشانہ انداز بھی ہے۔ اس کی عکاسی محمود نظامی کے سفر نامے 'نظر نامہ' میں کچھ اس طرح کی گئی ہے:

"وہ تمام انسان جو چھ ہزار برس قبل اس عمارت کی تعمیر پر مامور تھے۔ زندہ اور متحرک نظر آنے لگے۔ غربت و افلاس اور محنت ومشقت کے مارے ہوئے سیاہ فام، ننگ دھڑنگ، مزدوروں اور غلاموں کی بیبیوں لمبی لمبی قطاریں تھیں جو آگ برسانے والے سورج کی تپتی ہوئی شعاعوں کے نیچے تپتی ریت پر پسینے سے شرابور، تھکن سے چور، زخموں سے نڈھال، سنگ خارا کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو رسوں اور زنجیروں کی مدد سے کچکچائے ہوئے دانتوں اور مشقت سے پھولی ہوئی رگوں کے ساتھ کنارہ نیل سے جانب صحرا گھسیٹ رہے تھے۔ ان کے سر پر جلاد صفت کارندے ہاتھوں میں درے اور چابک لئے۔۔۔ ان کے کوڑے کی ضربوں سے نحیف ونزار آدمی زخمی ہو ہو کر گر رہے تھے اور اٹھنے کی کوشش میں دم توڑ رہے تھے۔"(۱۰)

پرانی عمارات کی تزئین وآرائش اور اندرون خانہ طرز معاشرت کا احوال بیان کرتے ہوئے شوکت علی شاہ کا قلم اپنے سفر نامے 'اجنبی اپنے دیس میں' قدیم داستانوں کے مخصوص نثری اسلوب میں کچھ یوں منظر کشی کرتا ہے:

"ستر ہزار زربفت کے مرصع پردے، جھلملاتے ہوئے ہزاروں فانوس، انمول موتیوں سے جڑا ہوا سازوسامان، دنیا کے نایاب نوادرات، خوبصورت کنیزوں کے جھرمٹ، کم سن وخوبرو غلاموں کے غول، خواجہ سراؤں کی فوج، حسن و جوانی کی موج، زندگی کی ترنگ، روح کی امنگ، وقت کا چڑھاؤ، مال وزر کا بہاؤ، نغمہ وچنگ، بادہ گل رنگ۔"(۱۱)

ادبی معیار کے مطابق ہر صنف ادب اپنی جہت اور اسلوب نیز فنی اور فکری حوالے سے الگ اور امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے افسانوی ادب میں تمام اصناف بشمول ناول اپنی مماثلات کے باوجود 'الگ الگ صنف ادب' کے طور پر جانی اور پہچانی جاتی ہیں۔ تاہم موضوع کی مناسبت سے اردو سفر نامے میں افسانوی ادب کی جملہ اصناف کے نقوش کی تلاش کے سفر میں جب ہم اردو ناول کے اثرات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمارے پیش نظر ناول کی مختلف اقسام مثلاً معاشرتی ناول، تاریخی ناول اور رومانی ناول وغیرہ شامل ہیں۔ تاہم ناول کا موضوع زندگی ہے اس لئے حقیقت اور واقعیت کا تخیل سے امتزاج اس طرح ہوتا ہے کہ تعبیر حیات فنی انداز میں پڑھنے والے کے سامنے آجائے۔ جبکہ سفر نامہ بھی حقیقت اور تخیل کی آمیزش سے تخلیق پانے والا ایسا ادب پارہ ہے جس میں ادیب براہ راست انسان، انسانی زندگی اور انسانی معاشرے کے حالات و واقعات کی عملی تعبیر اپنے ذاتی تجربے اور مشاہدے کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ ناول اور سفر نامے کے مابین تخلیقی تعلق اور اثرات کے حوالے سے محمود نظامی (مرزا محمود بیگ) کے سفر نامے 'نظر نامہ' سے تاریخی ناول نگاری اور قصہ کہانی کے نقوش کی تلاش کی جاسکتی ہے:

> "فرعون رعمیس ثانی کا پر شکوہ محل تھا جس کی سنگین دیواروں کے ساتھ رود نیل کی آہستہ خرام موجیں اٹھکیلیاں کر کے ملکہ کی توجہ اپنی جانب کھینچ رہی تھیں جو اس سہانے سمے میں کنیزوں اور خواصوں کے ساتھ محل کی بالائی منزل کے ایک دریچے سے اپنے معمول کے مطابق تماشا کر رہی تھی۔ وہ بظاہر اس جاں پرور نظارے کی دید میں کھوئی ہوئی تھی لیکن در پردہ اس کا دل گہرے رنج میں ڈوبا ہوا تھا کہ ایک ایسی ہی سہانی صبح کے پر سکون لمحات میں اس کا شوہر فرعون رعمسیس ثانی نے وہ بھیانک خواب دیکھا تھا جس کے دربار کے کاہنوں اور منجموں نے یہ دی تھی کہ اس کی حکومت کی بربادی بنی اسرائیل کی مشہور قوم کے ایک لڑکے کے ہاتھوں عمل میں آئے گی اور وہ سوچ رہی تھی کہ آخر وہ قتل وخون کب تک جاری رہے گا جو فرعون کے اس حکم کی تعمیل میں کئی برس سے مصر کی سرزمین میں بہایا جا رہا تھا کہ جب کسی بنی اسرائیل کے ہاں لڑکا پیدا ہو، اسے قتل کر دیا جائے معاً اس کے استغراق کو ایک خواص کی اس چیخ نے پریشان کیا جس میں حیرت و استعجاب کی گہری جھلک موجود تھی۔ ملکہ اپنے خیالات سے چونکی اور اس نے لڑکی کے ہاتھ کے اشارے کی طرف نگاہیں دوڑائیں تو دیکھا ایک صندوقچہ نیل کے بہاؤ پر چلا آرہا ہے۔"(۱۲)

بیگم اختر ریاض الدین کے سفر نامے 'سات سمندر پار' میں جزئیات نگاری اور واقعہ نگاری کے ساتھ ساتھ منظر نگاری کا ادبی حسن کسی ناول کے پلاٹ کا حصہ معلوم ہوتے ہیں:

> "رات کو ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ صبح نو بجے آنکھ کھلی تو ایک ضعیف و ناتواں سورج کپکپاتے، لڑکھڑاتے، ہانپتے، کانپتے، آہستہ آہستہ کمرے میں سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا اور کچھ دیر میں اس کی پیلی زرد دھوپ نڈھال ہو کر برف پر گر پڑی۔ ہم ناشتہ کر کے تیار ہوئے دہلیز پر کھڑے ہو کر باہر جھانکا۔ ذرا سا دروازہ کھولا، گردن نکالی، ہوا تیز تھی لیکن پھر بھی اتنی سرد نہیں جتنا ڈرایا گیا تھا۔"(۱۳)

شفیق الرحمن کا 'برساتی' تخلیقی ادب میں سفر نامے کے مقام و مرتبہ کو قائم کرتا ہے۔ اس کا آغاز کس طرح ہوتا ہے اس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے:

> "میں علی الصبح اٹھا اور سامان باندھنا شروع کر دیا۔۔۔ آج اڈنبرا کو چھوڑ کر لندن جا رہا تھا۔ پانچ سو میل موٹر چلانی تھی۔ کار میں سامان رکھ کر پڑوسیوں سے علیک سلیک کی اور پروفیسر کے ہاں پہنچا، وہ ناشتے پر میرا منتظر تھا 'ایسے موقع مجھے اداس کر دیتے ہیں' وہ بولا جوانی میں اپنے بچوں کو رخصت کیا کرتا تھا اب بڑھاپے میں شاگردوں کو۔۔۔

ہم سکاٹ ویسے بھی جذباتی ہوتے ہیں۔ اس میز پر ہم نے کتنی مرتبہ لمبی لمبی بحثیں کی تھیں۔ دنیا کے ہر موضوع پر۔ پروفیسر کہہ رہا تھا۔۔۔ پینسٹھ برس کی زندگی میں کوئی تجربہ ایسا نہیں جو مجھے نہ ہوا ہو، لیکن جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ مسرت پہنچائی وہ ہے صبح صبح کی چائے کی پیالی اور ایک سگریٹ۔۔۔ اس کے بعد دن بھر جو کچھ ہوتا ہے سب خرافات میں شامل ہے۔ لیکن زندگی کچھ ایسی بری بھی نہیں، ہو سکتا تھا کہ میرے والدین شادی نہ کرتے اور میرا وجود ہی دنیا میں نہ ہوتا۔ اچھا ہوا کہ یہ تماشا دیکھ لیا۔ میں زیادہ باتیں تو نہیں کر رہا ہوں۔۔۔ یہی وقت ہے جب میں بول سکتا ہوں میری بیوی باہر گئی ہوئی ہے۔ چلتے وقت پروفیسر نے نصیحت کی۔۔۔ حد نگاہ کبھی محدود نہ رہے۔ ہمیشہ پہاڑوں کے اس پار دیکھنا۔" (۱۴)

موسیقی کو فنونِ لطیفہ اور ادب میں بے حد اہمیت حاصل ہے اور یہ انسانی زندگی کا اہم جزو ہے۔ سب سے بڑھ کر اس کی سرحدیں نہیں ہوتیں اور اس کی زبان اجنبی ہوتے ہوئے بھی قابل فہم ہوتی ہے کہ 'ردھم یا آہنگ' اس کی بنیاد ہے۔ محمد کاظم اپنے سفر نامے 'مغربی جرمنی میں ایک برس' میں موسیقی کے موجوع کو اپنی تحریر میں اس طرح پروتے ہیں کہ تحریر بیانیہ قصے کا روپ دھار لیتی ہے:

"کمرے میں اب ہو کا سماں تھا، اور اب سوائے موسیقی کے اس میں اور کسی تنفس کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس دوران میں انسٹی ٹیوٹ والے مکان کی مالکن فراؤ کیونگ دبے پاؤں اندر آئی اور بئیر اور کافی کے خالی برتن آہستہ آہستہ سمیٹ کر بلی کی طرح پنجوں کے بل چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ کمرے میں اس وقت جو افراد موجود تھے وہ کرۂ ارض کے دور دراز حصوں سے آئے تھے اور ان کے منہ میں دس طرح کی زبانیں تھیں۔ ایک دوسرے سے مختلف اور ایک دوسرے کے لیے اجنبی لیکن دیوالدی کے سر جو اس کے وائلن سے نکل رہے تھے سب کے لیے یکساں طور پر مانوس اور قابل فہم تھے۔ اس موسیقی کے اثر تلے آ کر یوں لگتا تھا جیسے ہمارے اندر کا سارا میل پگھل گیا ہو اور اس کی جگہ ایک سجل پاکیزگی اور سریلے پن نے لے لی ہو اور ہم اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے اپنی روح کے ساتھ اس دور کے سنہری جزیروں اور گمشدہ ولایتوں میں اڑتے پھرتے ہوں۔(۱۵)

مسلمانوں کے عروج و زوال اور ہجرت اور سانحات تاریخ کو ہمارے افسانوی ادب اور خاص طور پر تاریخی ناول میں ایک اہم موضوع کی حیثیت حاصل ہے۔ قیام پاکستان کے بعد کے بے شمار مرد و خواتین ادیبوں نے ماضی اور ماضی قریب کے ان واقعات کو اپنی کہانی میں اس طرح جگہ دی ہے کہ زندگی کا فلسفیانہ تصور اور مقصدیت فن کے پردے میں اس طرح آشکار ہوتی ہے کہ کہانی کا تاثر مجروح نہیں ہوتا۔ رفیق ڈوگر اپنے سفر نامے 'اے آبِ رودِ گنگا' میں لکھتے ہیں:

"قد آور درختوں پر بل کھاتی شاہراہ اعظم کے دونوں جانب فصلیں ہی فصلیں تھیں۔ پھر بھی نہیں معلوم کیوں میں سوچ رہا تھا کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں، محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، ظہیر الدین بابر، شیر شاہ سوری، نصیر الدین ہمایوں، جہانگیر، شاہ جہاں، اورنگ زیب عالمگیر اور پھر لٹے پٹے، بھوکے ننگے، زخمی، دم توڑتے ہوئے مسلمانوں کے قافلے، سڑک کے دونوں طرف کنوؤں سے عفت مآب ماؤں اور بہنوں کی اٹھنے والی چیخوں سے میرے کان پھٹنے لگے۔ میں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ نوے ہزار مخالفین وطن کی سوئے وطن مارچ کی آواز، بند آنکھوں کے سامنے کھڑی میری تاریخ پکار رہی تھی۔۔۔ آنکھیں اور کان بند کر کے تم مجھ سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔" (۱۶)

کردار نگاری کا افسانوی ادب کی ساخت اور بناوٹ میں بنیادی کردار ہے کیونکہ کہانی ان کے مکالموں کے ذریعے آگے بڑھتی ہے اور پلاٹ کی بنت میں ربط اور واقعات کی نشوونما میں فطری انداز پیدا ہوتا ہے۔ کردار نگاری مکالموں سے بھی ہوتی ہے اور ناول نگار کے بیانات سے بھی۔۔۔ کردار کے تعارف اور اس کی وضع قطع نیز لباس وزیورات کے حوالے سے سلمیٰ اعوان کے سفر نامے 'یہ میرا بلتستان' سے ایک مثال درج ہے:

"تبھی ایک عورت مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ سارے میں وادی جواری کا شور مچ گیا۔ آنے والی کا چہرہ چاند کی کرنوں جیسا ٹھنڈا اور ملائم تھا۔ وہ سبز اونی کپڑے کی گن مو(قمیض) پہنے ہوئی تھی۔ سیاہ ٹوپی جو بلتی مردانہ ٹوپی سے ملتی جلتی تھی جس پر چاندی کے منقش زیورات جنھیں طومار کہتے ہیں جڑے ہوئے تھے، سر پر رکھے اور اس پر سیاہ چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ اس نے گلے میں فلا پہنا ہوا تھا۔ ہاتھوں میں فیروزے کی انگوٹھیاں اور پاؤں میں بلم تھا۔ جس پر اتنی نفیس اور حسین و جمیل کڑھائی تھی کہ بہت دیر تک اس کی نظریں جوتی پر مرکوز ہیں۔" (۱۷)

کہا جاتا ہے کہ 'چیخوف نے اپنے چھوٹے بھائی کو اپنی کہانی، ادب پارے کی صورت میں ڈھالنے کے لیے جو نصائح کیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ کرداروں اور اشیا کا بیان بہت سچے اور سیدھے انداز میں کرنا چاہیے۔ کسی بات، صورت حال یا تجربے کو بیان کر رہے ہوں تو آپ کا رویہ بہت معروضی ہونا چاہیے۔ جو بات آپ لکھنا چاہتے ہیں بڑی ہمت اور جرأت سے لکھیں۔ لمبے چوڑے بیانات سے بچیں۔ اختصار اور ایجاز کے ساتھ بیان میں قدرے تہہ داری کا پہلو بھی ہونا چاہیے۔' اردو افسانے کو اس معیار پر پرکھنے کی تفصیل میں جائے بغیر اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے ہاں بھی ایسے عظیم افسانہ نگار پیدا ہوئے جنھوں نے ہمارے افسانوی ادب کو موضوع، مواد، اسلوب اور تکنیک یعنی فن کے ہر پہلو سے دنیائے ادب میں اعلیٰ معیار پر فائز کیا اور اردو افسانے کا اعتبار قائم کیا۔ اردو سفر نامے پر افسانے کے کیا کیا اثرات پڑے اگر اس پر نگاہ دوڑائی جائے تو بے شمار مثالیں یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ قیام پاکستان کے بعد کا سفر نامہ، اپنے اندر افسانے کے بے پناہ اثرات سمیٹے ہوئے ہے۔ ان میں سے چند ایک کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔ محمود نظامی اپنے سفر نامے 'نظر نامہ' میں انقلاب فرانس سے متعلق بادشاہ کے قتل کا قصہ کچھ اس طرح لکھتے ہیں:

"وہاں اس نے لیٹے لیٹے بلند آواز سے مجمع سے مخاطب کر کے کہا۔ لوگو! میں بے گناہ مارا جا رہا ہوں میں اس جرم سے بری الذمہ ہوں جس کی پاداش میں مجھے۔۔۔ لیکن ابھی بادشاہ کا فقرہ مکمل نہ ہوا تھا کہ منتظمین کے حکم کے تحت نقاروں پر چوٹ پڑی۔ ایک مکروہ قسم کا شور بلند ہوا اور لوئی کے الفاظ اس شور میں دب گئے۔ سمسون نے آگے بڑھ کر گلوٹین کو حرکت دی۔ بیس پچیس فٹ کی بلندی سے وزن دار چھری کا تیز پھل نیچے کو لپکا اور آنکھ جھپکنے میں ایک خوف ناک چیخ کے ساتھ بادشاہ کا سر کٹ کے ٹوکری میں جا گرا۔" (۱۸)

'دھنک پر قدم' بیگم اختر ریاض الدین کا سفر نامہ ہے جس میں فطری مناظر کی تشویر کشی، منظر اور پس منظر دونوں کو تخیل کے اس مقام پر لے جاتا ہے جہاں انسان تھوڑی دیر کے لیے اپنے ماحول سے بیگانہ ہو کر خوب صورت دھنک کے رنگوں میں محصور ہو جاتا ہے جو کسی افسانے کا خاصہ ہے:

"ڈھلتے سورج میں بحر الکاہل کروٹیں بدل رہا تھا اور چاروں طرف زمرد کی آمریت مستحکم ہو چکی تھی۔ تاحد نظر سبزہ ہی سبزہ۔ یوں احساس ہوا کہ۔۔۔ کہنہ مشق کائنات نئے سرے سے شباب پر آئی ہے۔ اس کے ننھے منے رقبے میں فطرت کا ہر رنگ اور انگ پایا جاتا ہے۔ سمندر یہاں عمیق تر ہوتا چلا گیا ہے۔۔۔ دوپہر کے وقت اس نیلم کی بھڑک آنکھیں خیرہ کر دیتی ہے۔ میں نے وجدانی حسن میں ڈوبے ہوئے ساحل بہت کم دیکھے ہیں۔۔۔ یہاں کے

کوہساروں نے اس جزیرے کو گول چہرے کا ایک نیازاویہ بخشا ہے۔ یہ کہیں سنگلاخ ہے اور کہیں اتنا سبز کہ ازلی برساتوں کا رین بسیرا معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی کنواری گھاس پر انسان اپنا سایہ ڈالتے جھجکتا ہے۔" (۱۹)

جمیل الدین عالی کے سفر نامے 'دنیا میرے آگے' سے مار دھاڑ کا ایک منظر ہمیں کہانی کی دنیا کے حقیقی کردار سے ملاقات کراتا ہے:

"میں نے کوشش کی کہ جیب میں ہاتھ ڈال کر اندر ہی اندر ٹٹولوں اور ایک نوٹ برآمد کرلوں، مگر وہ صاحب کچھ اور سمجھے انھوں نے فوراً میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اوہو! تو آپ کے پاس ریوالور بھی ہے، یہ کہہ کر انھوں نے میرے شانے والے ہاتھ سے میرے منہ کی سیدھ میں ایک زوردار گھونسہ چلا دیا جو میرے دائیں کلے کی آخری داڑھ پر پڑا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میں خون نگل رہا ہوں۔ شاید میرا احساس یہ تھا میں کوئی مار دھاڑ والی فلم دیکھ رہا ہوں۔ اتنے میں برابر والی گلی سے ایک مضبوط اور خوش شکل خاتون نمودار ہوئیں جو ان کا دوسرا گھونسہ دیکھ کر چیخنے لگیں۔۔۔ مرڈر۔۔ مرڈر۔" (۲۰)

مستنصر حسین تارڑ کے سفر نامے 'اندلس میں اجنبی' سے ایک اقتباس افسانے کے ایک رومانوی لیکن شوخ رنگ کردار کا عکاس ہے:

"میرے ساتھ بیٹھی ہوئی پستہ قد اور قابل رشک صحت کی مالک لڑکی نیلے رنگ کی چست پتلون اور کالے سویٹر میں ملبوس تھی۔ سویٹر لمبائی میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے پتلون تک پہنچتے پہنچتے رہ گیا تھا۔ وہ بار بار سویٹر کو دونوں ہاتھوں سے کھینچ کر سویٹر اور پتلون کے درمیان کے فاصلے کو پر کرنے کی کوشش کرتی، مگر ہاتھ ہٹاتے ہی جسم کی بالائی حصے کے کھنچاؤ کی وجہ سے سویٹر سکڑ کر پھر پرانی حالت پر آجاتا اور پتلون کی بیلٹ کے عین اوپر اس کا سفید پیٹ نظر آنے لگتا۔ دوسری لڑکی نے جس کا چہرہ لمبوترا تھا اپنے کندھوں پر ایک کھیس نما شال اوڑھ رکھی تھی۔" (۲۱)

قرۃ العین حیدر اپنے سفر ناموں میں ناول، افسانہ اور زندگی کے فلسفیانہ پہلو کا ایسا خوب صورت تجربہ کرتی ہیں، جس سے ان کی تحریر پڑھنے والا ضرور متاثر ہوتا ہے:

"صحن کے شمالی سرے پر ایک بے حد حسین اٹھارہ انیس سال کی لڑکی سبز رنگ کے فراک میں ملبوس سبز ہیٹ لگائے بہت سے مردوں کے ہجوم میں گھری بیٹھی تھی۔ لمبا ایجنٹ بھی وہاں پہنچا ہوا تھا اور اس کی کرسی کا طواف کر رہا تھا۔ کس قدر خوب صورت لڑکی ہے؟ اور دھتی نے کہا۔۔۔ لگتا ہے جیسے ووگ کے صفحوں سے نکل کر آگئی ہے۔ الویرا نے کہا۔۔۔ وہ بڑی تمکنت کے ساتھ گویا تخت پر بیٹھی تھی اور اس کے عشاق اس کے سامنے درباریوں کی طرح کھڑے تھے۔"(۲۲)

اردو افسانے میں لفظوں کی حقیقی اور مجازی معنوتی اور علامتی انداز سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ اردو سفر نامے میں اس کی بے شمار مثالیں مل جاتی ہیں تاہم ایک مثال بشریٰ رحمن کی تحریر سے دی جاتی ہے:

"لمبے قد کا گورا ہمیں دیکھ کر مسکرایا اور پاسپورٹ کے صفحات کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔۔۔ اچانک اس نے اپنی بنٹے جیسی آنکھیں گھما کر پوچھا 'کیا آپ کوئی کھانے والی چیز لائی ہیں؟۔۔۔ لرزتے ہوئے کہا، ہمارے ہاں تو صرف قوم کا غم کھانے کا رواج ہے۔ کبھی ہم اپنی قوم کا غم کھاتے ہیں، کبھی آپ کی قوم کا۔ وہ بولے کوئی پینے کی شے لائی ہیں؟ ہم نے عرض کیا۔ ہماری شاعری میں تو بس آنکھوں سے پی جاتی ہے۔ ہم آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے

ہیں نہ چڑھے تو واپس بھیج دیتے ہیں۔۔۔ وہ ہمیں یوں دیکھ رہے تھے جیسے آسٹریلیا کا گوالا ساہی وال کی گائے دیکھتا ہے۔"(۲۳)

افسانہ نگار صورت حال اور کردار کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو اس طرح ابھارتا ہے کہ واقعہ کا تضاد اور تاثر گہرا ہو جائے۔ جدید سفر نامے میں ممتاز مفتی کے ہاں طنز کی کاٹ، انسانی نفسیات کے ساتھ حقیقت نگاری کی جانب سفر کرتی ہے۔ اپنے سفر نامہ "لبیک" میں انسانی کردار کے چھپے گوشوں کی ترجمانی کرتے ہیں اور قاری کی روشنی اور اندھیرے میں فرق کرنے کی تحریک کرتے ہیں:

"پچھلی رات تک کتا وقفوں سے بھونکتا رہا۔ زائرین کے قافلے آتے رہے جاتے رہے۔ صحن آباد ہوتا رہا۔ ویران ہوتا رہا۔ میں برآمدے کے فرش پر دیوار سے سر ٹیکے بیٹھا رہا، کمرے میں جاتا تو وحشت سی سوار ہو جاتی۔ اپنے احرام کو دیکھتا تو ایسے لگتا جیسے فقیر، محل میں آگھسا ہو۔ کئی بار جی چاہا کہ احرام کو اتار کر سلیپنگ سوٹ پہن لوں اور ڈبل بیڈ پر لیٹ کر لمبے بالوں والی لڑکی کا انتظار کروں جو آکر مجھے ہائی کہے۔ پھر احرام پر نظر پڑ جاتی۔ شرمندہ ہو جاتا۔۔۔ میں لپک کر باہر نکلا۔ صحن میں زائرین کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ وہ سب اپنی اپنی دریوں پر بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ میں نے اپنی دری برآمدے میں فرش پر بچھالی اور اونگھنے لگا۔"(۲۴)

بعض افسانہ نگار، افسانے کی فضا کو بوجھل پن سے بچانے کے لیے تحریر میں شگفتگی کا پہلو اس فنکارانہ طریقے سے اختیار کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو زیرلب مسکرانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اردو سفر نامے میں بھی یہ انداز اپنایا گیا ہے۔ عطاالحق قاسمی کی تحریر سے ایک اقتباس:

"میں نے لاہور میں بیشتر لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ پیسہ ہاتھ کی میل اور عورت پاؤں کی جوتی ہے۔ تاہم حیرت کی بات یہ ہے کہ میں نے یہاں لوگوں کی کثیر تعداد کو اس جوتی اور میل کے لیے ذلیل وخوار ہوتے دیکھا ہے۔ یہ میل تو کچھ لوگوں کے ہاتھ آجاتی ہے مگر بیشتر اس کے لیے ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ البتہ شادی کی بدولت جوتی سب کا مقدر بنتی ہے بلکہ کئی ایک تو جوتی کی بجائے جوتیوں کی خواہش کرتے ہیں۔" (۲۵)

اردو اصناف نثر میں ڈراما اور سفر نامہ اپنی الگ الگ صنفی حیثیت کے باوجود صرف وہ دو اصناف ہیں جن میں 'حرکت اور عمل' حقیقی معنوں میں قدر مشترک ہیں۔ ڈراما کے لیے یہ ضروری امر ہے کہ اسے صرف تحریر کے قالب تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اس کی تکمیل تو تحریر کے بعد 'سٹیج' پر کرکے دکھانے کے ساتھ ہوتی ہے۔ یعنی ڈراما صرف لکھ دینا کافی نہیں اس کا عملی طور پر ہونا بھی ضروری ہے۔ اس طرح سفر نامہ صرف لکھا نہیں جاتا بلکہ اس کے لیے 'عملی سفر' بھی لازمی ہے۔ تاہم ڈراما اور سفر نامہ میں حرکت اور عمل کی ترتیب میں فرق سے ایک پہلے لکھا اور پھر کرکے دکھایا جاتا ہے جبکہ دوسرا پہلے کرکے دکھایا جاتا ہے اور پھر لکھا جاتا ہے لیکن شرط وہی مشترک ہے یعنی حرکت اور عمل کی۔

اسی طرح ہر دو اصناف میں کہانی، کردار، منظر نگاری، مکالمے، گفتگو کو زندگی کے حقائق کے حوالے سے پیش کیا جاتا ہے لیکن تحریر کو تخیل اور تخلیق کی خوبیوں سے مزین کیا جاتا ہے۔ اردو سفر نامے میں ڈرامائی عنصر اور ماحول کی تشکیل سے بھی مدد لی گئی ہے۔ یوں اجزائے ترکیبی کا یہ اشتراک اردو سفر ناموں میں ڈرامے کے اثرات کی تلاش میں ممد و معاون بن جاتا ہے۔

سید امتیاز علی تاج اردو ڈرامے کا ایک اہم نام ہیں۔ ان کا ڈراما 'انار کلی' تاریخ ادب میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ انار کلی کے علاوہ بھی انھوں نے ڈرامے تحریر کیے۔ جن میں طبع زاد اور اخذ و ترجمہ شدہ تحریریں بھی شامل ہیں۔ اسی طرح ان کا ایک

ڈراما 'قرطبہ کا قاضی' ہے جو اقسام کے اعتبار سے یک بابی ڈراموں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ انگریز ڈرامانویس لارنس ہاؤس مین کی ٹریجڈی سے اخذ و ترجمہ ہے۔ اس ڈرامے کے ایک منظر کا اقتباس ذیل میں لکھا جارہا ہے:

> "ارے دیکھو تو! ارے دیکھو تو! میرا بچہ ہاتھ چوم رہا ہے۔ میرا بچہ ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا رہا ہے۔ اس شخص کے جو اسے سولی چڑھانے کو ہے۔ جلدی ارے جلدی میرے رب۔ اس کی روح کو جھٹ اپنے دامن رحمت میں لے لینا۔ اسے تڑپانا مت! اسے جلدی لے لے۔ ہا۔۔۔ میرے بچے اپنا دم دے۔ اس کے اور نہ تڑپ۔ مر جا۔ میری جان مر جا! مر جا! کوس رحلت تھم جاتا ہے۔ ہجوم میں سے گریہ و بکا کا ایک دلدوز شور اٹھتا ہے اور بتدریج گھٹ جاتا ہے۔"

دوم اقتباس سفر نامہ 'نظر نامہ' سے:

> "بادشاہ وقار اور تمکنت کے ساتھ محافظوں کے درمیان قدم بڑھاتا ہوا قتل گاہ کے چبوترے پر پہنچ گیا۔ وہ موت کے تختے پر بادشاہت کے تخت سے بھی زیادہ ذی وقار نظر آرہا تھا۔ اسے یوں گلوٹین کے نیچے کھڑا دیکھ کر مجمع میں سناٹا چھا گیا۔۔۔ لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں اور دھڑکتے دل کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔۔۔ بادشاہ نے پہلے اپنا جوتا اتارا، پھر گلے کا بٹن کھولا اور پھر باندھنے کے لیے اپنے ہاتھ جلاد کی طرف بڑھائے اور آخر وہاں پہنچا جہاں لٹا کر اس کے پاؤں باندھے گئے۔"(۲۶)

ڈراما کی چند اقسام میں سے ایک ہے میلو ڈراما۔ موجودہ عہد میں میلو ڈراما میں گہری جذباتیت، شدید ہیجانی کیفیت اور رومانویت کے گہرے احساس کی سنسنی خیزی کا رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ میلو ڈراما کے اثرات کی ایک مثال قدرت اللہ شہاب کے سفر نامے 'اے بنی اسرائیل' میں دیکھی جاسکتی ہے:

> "تصویر کا لفظ سن کر میرا جی چاہا کہ بچے کو اٹھا کر گلے سے لگالوں اور کہوں میرے معصوم فرشتے ابھی خدا نے وہ مصور پیدا نہیں کیا جو تیری تصویر کا حق ادا کر سکے۔۔۔ وہ تیری ماں ہے جسے قدرت نے شباب کی منزل سے پہلے بوڑھا کر دیا ہے۔۔۔ اور وہ تیری گڑیا سی بہن ہے جس نے ایک ہاتھ سے ماں کا دامن تھاما ہوا ہے۔۔۔ اور بنی آدم اور بنی اسرائیل کے ہاتھوں میں خدا کا یہ شاہکار بھوک سے مرجھایا ہوا ہے۔ خوف سے سہا ہوا ہے۔ بے گھر۔ بے سہارا۔"(۲۷)

افسانوی ادب میں بالعموم اور ڈراما میں بالخصوص مکالمہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اردو فکشن میں کردار اپنے عمل اور ارادے کا اظہار اپنی گفتگو اور مکالمے کے ذریعے کرتا ہے۔ یہ گفتگو بعض اوقات ایک سے یا زیادہ کرداروں کے ذریعے کی جاتی ہے اور بعض مرتبہ کردار خود کلامی کے انداز میں اپنے آپ سے کلام کرتا ہے۔ کہانی کرداروں کے باہمی گفتگو سے عروج و زوال کا سفر طے کرتی آگے بڑھتی ہے اور اپنی منزل تک پہنچتی ہے۔ یوں مکالمہ ایک طرف تو پلاٹ اور کہانی کے ارتقا کے سلسلہ میں اہم ہے اور دوسری جانب خود کرداروں کی تشکیل کے لیے ضروری ہے۔ مکالمے کو کردار کی نفسیات، ضروریات، جذبات، سیرت اور فطرت سے ہم آہنگ ہونا چاہئے۔ یہ بات نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ مکالمہ اگرچہ افسانوی ادب کا اہم حصہ ہوتا ہے تاہم فنی اعتبار سے اس کا دورانیہ محدود ہوتا ہے۔ اس لیے مکالمہ موزوں اور برمحل ہونا چاہئے۔ طویل مکالمے تحریر کو بوجھل اور کہانی کے وحدت تاثر کو زائل کر دیتے ہیں۔ اردو سفر ناموں میں بھی مکالمے سے موثر کام لیا گیا ہے۔ موقع محل کی مناسبت سے کرداروں کی گفتگو، موضوع اور صورت حال کو واضح کرنے اور آگے بڑھانے میں مدد کرتی ہے۔ گفتگو سنجیدہ ہو یا شوخی بھری، معمولی ہو یا غیر معمولی، سفر ناموں

میں اس کا اظہار مختلف کرداروں کی صورت میں بھی ہوتا ہے اور خود کلامی کی صورت میں بھی۔ڈاکٹر محمد باقر کے سفر نامے 'چھ مہینے ایران میں' سے ایک مثال:

> ''وکتر مہدی بیانی کے پاس میری تالیف 'لاہور' پہنچ چکی تھی۔اس سے بات چلی تو صبحی نے پوچھا۔۔۔لاہور کے نام کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟میرے علم میں جو کچھ تھا۔۔اس کا مختصر ذکر کر دیا۔ صبحی کہنے لگے کہ مجھے آپ کے قیاسات سے اتفاق نہیں۔میرا خیال یہ ہے کہ 'لاہور' ایک مرکب لفظ ہے اور دو لفظوں سے مل کر بنا ہے۔یہ دو لفظ 'لاؤ' اور 'ہور' ہیں۔۔۔لاؤ کے معنی شہر کے ہیں اور ہور، سورج کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ 'لاہور' کے معنی 'سورج کا شہر' ہے۔۔۔یہ توجیہ صحیح ہو یا نہ ہو بہر حال صبحی جسے نقاد خوانوں اور افسانہ نویس کے علمی ذوق کی داد دینا پڑتی ہے۔'' (۲۸)

ڈرامائی مفاہمت میں کردار کے دلی جذبات کو خود کلامی کے انداز میں پیش کرنا فنی ضرورت کے طور پر قبول کیا جاتا ہے۔ سفر نامہ میں یہی خود کلامی ناول اور افسانے کی طرح حالات واقع کا پس منظر یا حصہ بن کر ہمارے سامنے آتی ہے۔اشفاق احمد جیسا کہانی کار سفر کی کہانی لکھتا ہے تو سفر نامے اور افسانوی ادب کے درمیان فاصلے سمٹ کر اور کم ہو جاتے ہیں۔سفر نامے میں ان کی افسانوی اور ڈرامائی تحریر کا ایک رنگ قاری کو اپنے سحر میں گرفتار کر لیتا ہے:

> ''اتنے سالوں کے بعد آج اس وقت سیف الملوک کے راستے میں زمین پر بیٹھے ہوئے مجھے کرنل دیال کی لڑکی، اس ڈنر پارٹی میں ہر چیز سے حسین دکھائی دی۔اس کا ماتا مر چکی تھی اور آج کے ڈنر کا سارا انتظام پر میلا نے کیا تھا۔پر میلا نے نیلی زمین پر سفید تکموں والی قمیض پہن رکھی تھی اور اس کی آستین اس کے بازوؤں میں کھبی ہوئی تھی۔بائیں آستین کے باہر ڈیڑھ داغ چیچک کے ٹیکوں کا نظر آتا تھا۔باقی کا ڈیڑھ آستین کے اندر تھا۔پر میلا کا رنگ اپنے والد کی طرح صاف تھا کیونکہ وہ ایک کشمیری پنڈ ثانی کے بیٹے تھے۔پر میلا کے دونوں ابرو محرابوں کی طرح تھے کیونکہ وہ کوہاٹ میں پیدا ہوئی تھی اور ان کا گھر مسجد کے بہت قریب تھا۔اس کی کلائی پر سونے کی ایک چھوٹی سی گھڑی تھی کیونکہ وہ ایم بی بی ایس کے آخری سال میں پڑھتی تھی۔اس کی آواز میں سارے سُر کومل تھے کیونکہ وہ چھوٹی ہوتی زرداخان کی چھیوں کے ساتھ مل کر نعتیں پڑھا کرتی تھی۔۔۔وہ کرسی پر بیٹھتی تھی اور بیرے اس کی آنکھ کا ہر اشارہ سمجھ رہے تھے۔اس کے پاؤں میں چمڑے کے بہت ہی پتلے تلے والی چپلیاں تھیں اور اس کے دونوں ٹخنوں پر دو چھوٹے چھوٹے پورے چاند طلوع ہو رہے تھے۔'' (۲۹)

حوالہ جات

1. ڈاکٹر آغا سہیل :''مضمون: فکشن رائٹرز ورکشاپ ۱۹۸۱''،اسلام آباد: نیشنل بک کونسل آف پاکستان ، ۱۹۸۳، ص۳۶۔۳۷
2. ڈاکٹر انور سدید:''اردو ادب کی مختصر تاریخ''،اسلام آباد :مقتدرہ قومی زبان،۱۹۹۱،ص۲۰۸
3. ڈاکٹر مرزا حامد بیگ:''اردو سفر نامہ کی مختصر تاریخ''،لاہور:کلاسیک،۱۹۹۹،ص۵۰
4. ایضاً،ص۷

5. غفور شاہ قاسم: "پاکستان میں سفر نامہ ایک اجمالی مطالعہ"، مشمولہ: سہ ماہی الزبیر (سفر نامہ نمبر)، اردو اکادمی بہاولپور، ۱۹۹۸، ص۴۸

6. ڈاکٹر سید محمد عارف: "مضمون محمود نظامی کا نظر نامہ۔ اردو کا ایک منفرد سفر نامہ"، مشمولہ: سہ ماہی الزبیر (سفر نامہ نمبر)، اردو اکادمی بہاولپور، ۱۹۹۸، ص۲۲۰

7. شیخ منظور الٰہی: "نیرنگ اندلس"، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۶، ص۴۶، ۲۷

8. ذوالفقار علی: "یادِ مہربان" لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ص۳۸۹

9. عتیق احمد جیلانی: "نقوش راہ، ایک منفرد سفر نامہ" مشمولہ: سہ ماہی الزبیر، بحوالہ سابقہ، ص۱۸۰

10. محمود نظامی: "نظر نامہ"، لاہور: گوشہ ادب، ۱۹۵۸، ص۱۱۶، ۱۱۵، ۲۴

11. شوکت علی شاہ: "اجنبی اپنے دیس میں"، لاہور: جنگ پبلشرز، ص۸۳

12. محمود نظامی: "نظر نامہ" ص۳۹، ۳۸

13. بیگم اختر ریاض الدین: "سات سمندر پار" لاہور: پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۱۹۶۳، ص۷۰

14. شفیق الرحمان: "برساتی" مشمولہ: سہ ماہی الزبیر، سفر نامہ نمبر، ۱۹۶۲، اردو اکیڈمی بہاولپور، ۱۹۶۲، ص۲۲۱

15. محمد کاظم: "مغربی جرمنی میں ایک برس"، ۱۹۷۶، ص۱۰۹

16. رفیق ڈوگر: "اے آبِ رودِ گنگا" لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۵، ص۲۴

17. سلمیٰ اعوان: "یہ میرا بلتستان" لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸، ص۲۹

18. محمود نظامی: "نظر نامہ" ص۲۲۴، ۲۲۵

19. بیگم اختر ریاض الدین: "دھنک پر قدم" لاہور: نسیم بک ڈپو، کچہری روڈ ۱۹۷۲، ص۱۲

20. جمیل الدین عالی: "دنیا میرے آگے" لاہور: غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۵، ص۳۱

21. مستنصر حسین تارڑ: "اندلس میں اجنبی" لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹، ص۲۰

22. قراۃ العین حیدر: "دکھلائے لے جا کے اسے مصر کا بازار" لاہور: ۱۹۷۶، ص۵۸

23. بشریٰ رحمن: "براہ راست" لاہور: ادارہ وطن دوست، ۱۹۸۳، ص۸۴

24. ممتاز مفتی: "لبیک" لاہور: التحریر، س ن، ص۷۰، ۶۹

25. عطاالحق قاسمی: "قند مکرر" لاہور: غالب پبلشرز، ۱۹۸۳، ص۲۲

26. محمود نظامی: "نظر نامہ" ص۲۲۴

27. قدرت اللہ شہاب: "تو ابھی رہگزر میں ہے (بہترین تین سفر نامے)" لاہور: انتخاب پبلی کیشنز، ۱۹۷۶، ص۲۴

28. ڈاکٹر محمد باقر: "چھ مہینے ایران میں" مشمولہ: اردو ادب میں سفر نامہ، ص۳۱۷

29. اشفاق احمد: "سفر در سفر" لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷، ص۲۲۲، ۲۲۱